فاطمۃ الزہراء علیہا سلام اللہ اُسوۂ توحیدی

از: استاد محترم
سید جواد نقوی

فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا
اسوہ توحیدی

مشخصات کتاب

نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔فاطمہ الزہراؑاسوۃ توحیدی

تالیف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔استاد سید جواد نقوی

ناشر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔متاب پبلیکیشنز

اشاعت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جنوری 2021(بمناسبت ایام فاطمیہ)

تعداد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔1000

(یہ مضمون مشرب ناب شمارہ نمبر19سے لیا گیا ہے)

فهرست

حضرت زہراعلیہا السلام اسوہِ توحیدی

دین شناسی میں سیرت کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ قرآن مجید نے اسے انسانوں کی ہدایت کے لیے ذریعہ قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ و معصومینؑ کی شکل میں ہدایت کو کامل و مجسم فرمایا ہے، یعنی اسوہ کے طور پر متعارف کروایا ہے اور اس اسوہ کی تاسّی و پیروی کا ہمیں حکم دیا ہے ۔اسوہ کی پیروی کے معنٰی یہ ہے کہ اُن معصوم ہستیوں کی سیرت کو، جن کو خداوند تعالیٰ نے اسوہ مقرر کیا ہے، ہم اپنی زندگی کے لئے نمونہ عمل قرار دیں۔

اسوہ کی تعریف

اسوہ یعنی وہ تمام جامع اصول جو خداوند تبارک و تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے مقرر کیے ہیں۔ یہ اقدار جب ایک انسان کی زندگی میں اس طرح سے رچ بس جائیں کہ اس کی زندگی کے معمولی اعمال سے لے کر اہم ترین حرکات و سکنات تک، سب کے سب ان ہی

اصولوں کے تحت انجام پائیں، تو اس وقت وہ شخصیت اسوہ واقع ہوتی ہے، اور ہم جیسے معمولی انسانوں کی سہولت کے لیے خدا نے ایسی ہستیاں مقرر کی ہیں کہ انہوں نے یہ الٰہی و دینی اصول اپنی زندگی میں اپنائے اور عمر بھر ان اصولوں سے باہر قدم نہیں رکھا اور یہ اصول ان کی زندگی کا اور وجود کا حصہ بن گئے۔ اس لئے اب ہمارے لئے آسان ہے کہ ان کے نقش قدم پر چلیں اور ان ہی اصولوں میں ان کی پیروی کریں اور ان کی زندگی کے انداز اور طرزِ زندگی کو ہم بھی اپنائیں، یہی معصومؑ کی طرزِ زندگی کو اپنانا سیرت اور تاسّی کہلاتا ہے۔

بہت سارے اصول ہیں، جو اسوہ کی ذات میں مجسم ہیں۔ ہر اسوہ کی ذات میں "اصل" موجود ہے اور اس اسوہ کی ذات، اعمال، زندگی اور تمام حرکات و سکنات "اصل" کے تحت بسر ہوتے ہیں اور وہ اصل، توحید ہے۔ اس وجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ذوات توحیدی اسوات ہیں، جو قرآن نے متعارف کروائی ہیں۔ ازجملہ حضرت ابراہیمؑ کو قرآن نے بعنوانِ توحیدی اسوہ متعارف فرمایا ہے۔ یعنی

جہاں پر قرآن نے توحید کو برجستہ اور نمایاں کر کے پیش کرنا چاہا اور اصولِ توحید کو لوگوں کے لئے واضح کرنا چاہا تو حضرت ابراہیمؑ کی شکل میں لوگوں کے سامنے اسوہ پیش کیا۔

توحید، بعنوانِ طرز زندگی

توحید شعبہِ زندگی نہیں ہے کہ انسان کی اپنی زندگی کے دیگر افکار، اعمال، حرکات، سکنات، افکار و نظریات کے ساتھ ساتھ ایک چیز توحید بھی ہو۔ جس طرح کی توحید سے ہم آشنا ہوئے ہیں وہ یہ ہے کہ جس طرح بہت ساری چیزوں کو اکھٹا اور جمع کر دیا گیا ہے اسی طرح ایک توحید بھی ہے۔ درحالیکہ توحید بعنوانِ طرزِ زندگی، دیگر اعمال، حرکات و سکنات کے مقابلے میں نہیں ہے، بلکہ توحید ایک اصل ہے، جس کی حکومت انسان کی تمام زندگی کے اوپر ہے، جس کا سایہ انسان کے تمام اعمال، تمام افکار اور انسان کی پوری حیات و وجود کے اوپر ہے، نہ کہ دیگر چیزوں کے ساتھ ہم توحید کو بھی درمیان میں شامل کر لیں۔ ہماری جو توحیدی حالت ہے یا ہم جو موحّد کہلاتے

ہیں، اگر ہمارے ذہن ٹٹولے جائیں تو ہمارے دلوں کے اندر، بہت ساری چیزیں برآمد ہوں گی از جملہ توحید بھی وہاں پر ایک نظریہ، ایک اعتقاد، ایک تصور اور ایک فکر کے طور پر موجود ہو گا، مگر توحید، بعنوانِ طرزِ زندگی موجود نہیں ہو گا۔

موحّد حقیقی

موحّدِ حقیقی اس کو نہیں کہتے ہیں جس کے ذہن میں توحید کا تصور موجود ہو، بلکہ موحّد حقیقی اس کو کہتے ہیں جس کی زندگی پر توحید سایہ بن کر، توحید ایک قانون اور ضابطہ بن کر حکم فرمائی کرے۔یعنی جب تمام اعمال پر حکم فرمائی توحید کی ہو، تو یہ انسان موحّد ہو جاتا ہے۔

انسان کی زندگی میں دشوار ترین مرحلہ توحید ہے، اور توحید میں اگر انسان کے قدم راسخ ہو جائیں، اس وادی میں ایک دفعہ انسان کے قدم جم جائیں تو باقی دین اور زندگی بہت آسان ہو جاتی ہے، لغزش گاہ یہی توحید ہے، اکثر انسان یہی پر آکر پھسل جاتے ہیں، توحید کے

مقابلے میں شرک ہے۔ چونکہ ایک بہت بڑی اکثریت خدا پر ایمان رکھتی ہے لیکن خالصانہ ایمان خدا پر نہیں رکھتی ہے، یا اگر خدا پر ایمان ہے بھی تو توحید اس طرح سے تمام حیات پر سایہ فگن نہیں ہے، بلکہ ایک شعبہ کے طور پر توحید کو ہم نے رکھا ہوا ہے، ایک تصوّر اور نظریے کے طور پر ہم نے توحید کو باقی افکار کے ساتھ ان کے ردیف میں درج کیا ہوا ہے۔

اگر اس مطلب کو سمجھانے کے لیے حسّی اور محسوسی مثال دی جائے تو اس کو ذہن کے ساتھ تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ذہن بھی ایک معلوماتی بینک کی طرح کی چیز ہے،لائبریری کی طرح جس میں علوم کی بہت ساری ہماری فائلیں پڑی ہوئی ہیں اور ان میں سے ایک فائل توحید کی بھی ہے۔ جس طرح سے آپ کسی ادارے میں چلے جائیں وہاں پر بہت سارے لوگوں کا ریکارڈ موجود ہوتا ہے ،اس ریکارڈ روم کے اندر مختلف فائلیں پڑی ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک فائل آپ کی ہوتی ہے، ایک فائل آپ کے کسی ہمسایے کی ہوتی ہے، ایک فائل آپ کے کسی اور دوست کی ہوتی ہے، ایک فائل

کسی اجنبی کی ہوتی ہے، ان ساری فائلوں کا آپس میں کوئی ربط نہیں ہوتا ہے۔ یہ تمام فائلیں ایک دوسرے سے منفصل اور جدا ہوتی ہیں اور ایک دوسرے پر اثر انداز نہیں ہوتی ہیں۔

اس طرح مختلف اعتقادات و نظریات ہمارے ذہن میں پہنچتے ہیں۔ چونکہ ہمارے دین کی ابتدائی تعلیم ہمارے والدین اور گھر سے شروع ہوتی ہے (اسے ہم دینِ امّہات بھی کہہ سکتے ہیں)۔ ماؤں اور اجداد کے ذریعہ سے جو دین ہم سیکھتے ہیں، وہ ہمیں پہلا درسِ توحید دیتا ہے، پھر اس کے بعد وہ راسخ ہو جاتا ہے۔ جب ہم تھوڑا گھر سے باہر نکلتے ہیں وہاں توحیدِ دیگر سنتے ہیں، پھر تعلیمی دنیا میں توحید سے ہم آگاہ ہوتے ہیں، بہت ساروں کے ذہن میں توحید فقط ایک علم ہے۔ اس وقت دنیا کی بڑی بڑی نامور یونیورسٹیوں میں اسلام کے متعلق جو مضمون ہیں اسے اکثر پڑھانے والے غیر مسلم ہیں، ممکن ہے کوئی ہندو اسلام پڑھا رہا ہو، ممکن ہے کوئی مسیحی اسلام پڑھا رہا ہو، ممکن ہے کوئی یہودی اسلام پڑھا رہا ہو، حتیٰ ممکن ہے کوئی کمیونسٹ اسلام

پڑھا رہا ہو۔ ضروری نہیں ہے کہ جو کچھ پڑھا رہا ہے اس پر اس کا ایمان اور اعتقاد بھی ہو۔

چونکہ اسلام ایک علمی فائل کے طور پر اُن کے ذہن میں موجود ہیں، لیکن اعتقادی طور پر اس نے اپنے ذہن میں اس کو جگہ نہیں دی ہے، اس کی جگہ پر اگر ایک مسلمان کو یہی مضمون پڑھایا جائے تو مسلمان اور غیر مسلم میں فرق یہ ہو گا کہ مسلمان کے ذہن میں یہی مطلب، یہی مضمون ایک اعتقادی فائل کے طور پر رکھا ہوا ہو گا۔ لیکن دونوں کی زندگیوں پر جو کچھ پڑھا رہے ہیں اس کا ذرّہ برابر اثر نہ ہو گا۔ مثلاً ایک یونیورسٹی میں ایک غیر مسلم اسلام پڑھا رہا ہے، اور دوسری یونیورسٹی میں مسلمان اسلام پڑھا رہا ہے تو علم و اعتقاد کے اعتبار سے دونوں میں فرق ہے۔ لیکن عمل کے لحاظ سے دونوں ایک جیسے ہیں، نہ اُس کی عملی زندگی موحّدانہ اور اسلامی ہے، نہ اِسکی۔ عمل میں دونوں سیکولر ہیں، عمل میں دونوں دین سے بہت دور اور دین سے جدا ہیں، یہ ان کی عملی زندگی کی شکل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلام یا توحید کو محض ایک علمی فائل کے طور پر

ذہن میں رکھا ہوا ہے یا ایک اعتقادی عنوان سے توحید کو اپنے ذہن اور دل میں جگہ دی ہے جبکہ یہ اصلی مقام نہیں ہے، اور نہ اسلام کا اصلی مقام یہ ہے کہ اسلام فقط ایک عقیدہ بن جائے یا ایک علمی نظریہ، اور نہ ہی توحید کا یہ اصلی مقام ہے، بلکہ ساری فائلوں کی اندر توحید موجود ہو، جس فائل کو کھولیں اندر توحید ہو، انسان کے ذہن کو تشبیہ دی گئی ہے ایک لائبریری کے ساتھ یا ایک معلوماتی انفارمیشن بینک کے ساتھ کہ آپ اس میں جائیں جو فائل بھی کھولیں، جو بھی باب کھولیں سب سے پہلا باب اس میں توحید کھُلتا ہو۔ ہر سطر پر توحید ہو، ہر لفظ پر توحید ہو، اور ہر نظر و نقطہ میں توحید ہو یعنی کوئی ایسی جگہ نہ ہو جہاں پر سایہ توحید، رنگِ توحید و اثرِ توحید موجود نہ ہو۔ مثلاً انسان اگر فیلسوف ہے تو اس کے تمام فلسفی نظریات پر رنگِ توحید ہو۔ انسان اگر ایک مورّخ ہے تو اس کی تمام تاریخ دانی پر رنگِ توحید ہو، انسان اگر فقیہ ہے تو اس کی تمام فقہ پر رنگِ توحید ہو، انسان اگر ڈاکٹر ہے یا انجینئر ہے تو اس کے تمام اعمال و حرکات پر رنگِ توحید موجود ہو، یہ توحیدِ عملی ہے۔

تاثیرِ توحید در عملِ انسان

قرآن نے جو اسوہ پیش کیے ہیں، انھیں خداوند تبارک و تعالیٰ نے

ہماری ہدایت کے لئے مقرر کیا ہے۔ ان کے اندر توحید اور ہمارے ذہنوں میں توحید میں یہی فرق ہے کہ وہ بھی خدا کو واحد مانتے ہیں اور ہم بھی خدا کو واحد مانتے ہیں، لیکن ہمارے ہاں توحید ایک فائلِ علمی یا اعتقادی طور پر ہے اور ان کے اندر توحید ایک اصلِ حیات ہے یعنی اصلِ زندگی کے اصولوں میں سے ایک اصل ہے، زندگی کے ضابطوں میں سے ایک ضابطہ ہے اور زندگی کی روشوں میں سے ایک روش اور ایک اندازِ زندگی ہے نہ کہ ایک اعتقادی فائل یا ایک علمی فائل ہے۔

ہم نے جب سے دین کو مدرسوں اور تخصّص میں یا تحلیلوں میں سمجھنے کی کوشش کی ہے، تو آہستہ آہستہ ظاہر ہے عملی ترین چیزیں بھی علمی شکل اختیار کر جاتی ہیں اور محض علم بن جاتی ہیں اور ان کے عملی ہونے سے انسان دور ہو جاتا ہے، درحالیکہ توحید کا تعلق پہلے انسان کے عملی یا حقیقت واقعی سے ہے، پھر اس کا رنگِ علمی

ہے، علمی توحید فقط سمجھنے کے لئے ہے، نہ یہ کہ یہی بابِ آخر ہے اور ہم نے مسئلہ حل کر لیا اور علمِ کلام کی ایک کتاب پڑھ لی تو ہم موحّدِ کامل ہو گئے۔ صرف کتاب حل کرنے سے، عبارت کا ترجمہ درست کر لینے اور ضمیریں درست پلٹا لینے سے ہم موحّدِ کامل نہیں بن جاتے۔ یہ ان لوازمات میں سے ہیں جو پہلے عرض کیا تھا، کسی کو بھی سمجھ میں نہیں آتی حتیٰ کسی منطقی یا فیلسوف کو بھی سمجھ میں نہیں آتی۔

علمِ کلام میں جو مطالب ہیں، ان سے ممکن ہے یہ کتاب موحّد ہوتی ہو مگر اس کتاب کی وجہ سے ہم موحّد نہیں ہو جاتے بلکہ ہم اس وقت موحّد ہوں گے، جب یہ سب مطالب ہمارے اندر منتقل ہو جائیں اور ہمارے وجود پر چھا جائیں یعنی ہمارے وجود میں توحید سرایت کر جائے، جس طرح روحِ انسان پورے وجود و ہستیِ انسان میں سرایت کیے ہوئے ہے ،اس طرح سے توحیدروح کا حصہ بن جائے، ظاہر ہے کہ ہماری روح ایک جگہ نہیں ہے، روحِ انسان کسی خاص نکتے میں متمرکز نہیں ہے۔ مثلاً آپ کہیں کہ فلاں خلیے کے

اندر روح ہے، دل کے اندر روح ہے، جگر کے اندر روح ہے، مغز کی اندر روح ہے، نہ، بلکہ روح کو سریان حاصل ہے، روح اس چیز کی طرح ہے جو رگ وپے میں تار وپود میں، تانے بانے میں سرایت کیے ہوئے ہے، جس طرح سے ایک کپڑا ہوتا ہے اس کو رنگتے ہیں، کپڑے میں دو قسم کے دھاگے گزر رہے ہوتے ہیں جو آپس میں جڑے ہوتے ہیں۔ ایک کو "تانہ" کہتے ہیں اور ایک کو "بانہ" کہتے ہیں، فارسی میں جس کو "تاروپود" کہتے ہیں، یعنی وہ پہلا دھاگہ جسے کھڈی پر چڑھاتے ہیں اس کو "تانا" کہتے ہیں پھر اس کے اندر سے جو دھاگہ گزارتے ہیں اس کو "پود" کہتے ہیں، اردو میں یہ "تانہ اور بانہ" کہلاتا ہے۔

اب اس کپڑے کو آپ نے تانہ بانہ تو بنالیا، تاروپود تو بنالیا، اب آپ اگر اس کو رنگتے ہیں تو رنگ تار وپود میں چلا جاتا ہے، یعنی تار میں بھی چلا جاتا ہے اور پود میں بھی چلا جاتا ہے، تانہ میں بھی رنگ چلا جاتا ہے، بانہ میں بھی رنگ چلا جاتا ہے۔ لہذا کہتے ہیں تانے بانے کو آپ نے رنگ دیا، اس طرح سے ہمارے وجود کا تار وپود ہے، ہماری

ہستی کا ایک تانہ بانہ ہے۔ البتہ اپنی نوعیت کا، جس طرح کپڑے کا ہے اس طرح نہیں ہے، بلکہ ایک خاص سطح و نوعیت کا تانہ بانہ ہماری ہستی کا بھی ہے، ہماری ہستی میں ہمارا جسمانی پہلو بھی ہے، ہماری ہستی میں ہمارا قلبی پہلو بھی ہے، ہماری ہستی میں ہمارا فکری پہلو بھی ہے، ہماری ہستی میں ہمارا اعتقادی پہلو بھی ہے، ہماری ہستی میں ہمارا عملی پہلو بھی ہے، ہمارا ادراکی پہلو بھی ہے، ہمارا تحریکی پہلو بھی ہے، یہ تاروپودِ ہستیِ انسان ہیں۔ شاید بیسیوں یا سینکڑوں انسان کے تاروپود بن جائیں۔ اگر حیاتِ انسان ووجودِ انسان کو ایک دوسرے سے ہم جدا کریں۔ یعنی جب ایک کپڑے کو دھاگہ دھاگہ کر کے کھولیں تو اس کے کتنے دھاگے بنیں گے، ہزاروں دھاگے ایک چھوٹے سے کپڑے سے نکلتے ہیں۔ لیکن جب یہ تاروپود باہم ایک دوسرے سے پیوستہ ہوتے ہیں تو ہمیں ایک چھوٹے سے کپڑے کا ٹکڑا نظر آتا ہے، درحالیکہ اس کے اندر خود ایک عظیم دنیا ہے۔ اگر ہماری ہستی کا تانہ بانہ کھولا جائے اس تانے بانے کے اندر کتنی ظرافتیں، لطافتیں اور کتنی باریکیاں موجود ہیں۔

توحید در قرآن

توحید کے معانی قرآن میں یہ ہیں:

" صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً"

اپنی ہستی کے تانہ بانہ پر رنگِ خدا چڑھائیں یعنی توحید کپڑے کے رنگ کی طرح جاری اور ساری ہو جائے، ہمارے وجود کے ہر جز میں سرایت کر جائے، ہر ہر خلیے اور ہر ہر حصے میں توحید پہنچ جائے۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے وجود کے مختلف حصے ہوں اور ان میں سے صرف ایک حصہ توحید تشکیل دیتا ہو۔ یہ توحید نہیں ہے بلکہ یہ عین شرک ہے، توحید کا مطلب یہ ہے کہ کوئی حصہ ہماری ہستی کا ایسا نہ رہ جائے جس پر رنگِ توحید نہ ہو، رنگِ وحدانیت نہ ہو۔

اگر ہم ان ذوات کو دیکھیں جنھیں خداوند تبارک و تعالیٰ نے ہمارے لئے توحیدی اسوے مقرر کیے ہیں تو ان میں سے ایک بہت ہی برجستہ اور نمایاں اسوہ حضرت زہرا سلام اللہ علیھا ہیں، چونکہ ہر معصومؑ اسوہ ہے، اگرچہ منصب نہ ہو، رسالت و امامت نہ ہو۔ رسالت و امامت سے ولایت اور عصمت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اس طرح سے تلازم نہیں ہے کہ ہر معصومؑ حتماً اور یقیناً امامؑ ہو یا رسولؐ

ہو، حضرت مریمؑ کی عصمت کی گواہی قرآن دیتا ہے درحالیکہ کوئی منصب ان کے پاس موجود نہیں ہے۔ فرشتہ آتا ہے، وحی آتی ہے، حضرت مریمؑ کا خداوند سے مستقیم رابطہ ہے اور حضرت مریمؑ کو خدا سے ہدایت ملتی ہے درحالیکہ نہ منصبِ نبوت ہے اور نہ ہی منصبِ رسالت وامامت۔

عصمتِ زہرا سلام اللہ علیہا

روایات کے مضمون کی مطابق حضرت زہراؑ کا مقام حضرت مریمؑ سے زیادہ ارجمند ہے۔ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا اس مقام ولایت اور درجہ عصمت پر فائز ہیں لیکن منصب نہیں ہے، از جملہ ایک حیثیت جو حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے لیے معصومینؑ نے ذکر کی ہے وہ اسوائیت کا پہلو ہے، یہ پہلو بھی بعض مناسبتوں سے عرض ہوا ہے۔ حضرت حجت عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف سے منقول ہے کہ "حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا ہماری جدّہ واسوہ ہیں"، یعنی امامؑ فرما رہے ہیں کہ میرے لئے اور ہم سب معصومین کے لئے حضرت سیدہ

سلام اللہ علیھا اسوہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ شخصیت جو معصومینؑ کیلئے اسوہ ہے وہ غیر معصوم کیلئے بدرجہ اولیٰ اسوہ ہے اور ہماری اس بحث کے شروع کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ اب تک ہم اسوائیت اور سیرت کے دروازے کے علاوہ باقی تمام دروازوں سے معصومینؑ کی خدمت میں آئے ہیں جبکہ یہ فراموش شدہ دروازہ ہے۔ بقول امام رازیؒ کے کہ بنو امیہ نے درِ ولایت بند کر دیا۔ اہل بیتؑ کی طرف جو دروازہ خدا نے بنایا تھا اسے بنو امیہ اور دشمنان نے بند کر دیا اور بہت سارے اور باب تھے جو دشمنوں نے بند کر دیے، بابِ حکومت، بابِ اقتدار دشمنوں نے بند کر دیا، بعض دروازے دشمنوں نے بند کر دیے جبکہ سیرت کا دروازہ دوستوں نے بند کر دیا، چونکہ ہم نے اپنے آپ کو اتنا دوسرے دروازوں پر مصروف رکھا کہ اس دروازے سے گذرنا ہی فراموش کر گئے۔

اس امر کے احیاء اور بحث کے آغاز کا جو محرک اور سبب بنا وہ یہی تھا کہ ہم سیرت اور اسوہ دونوں سے آشنا ہوں اور یہ پہلو معصومینؑ کی زندگی کا اہم ترین پہلو ہے جو فراموش شدہ ہے۔

اسی طرح حضرت زہرا سلام اللہ علیھا کے بارے میں سب کچھ بیان ہوتا ہے سوائے حضرت زہرا علیہا السلام کی سیرت و اسوائیت کے، حضرت حجتؑ فرماتے ہیں کہ ہماری جدّہ ہمارے لئے اسوہ ہیں، باقی پہلو حضرت سیدہ سلام اللہ علیھا کی زندگی کے خدانخواستہ اگر مجہول بھی رہ جائیں اور ہمیں معلوم نہ بھی ہوں تو شاید ہماری زندگی پر جو منفی اثر پڑے گا وہ فقط یہ ہوگا کہ ہماری کم علمی شمار ہوگی، لیکن اگر سیرتِ حضرت زہرا سلام اللہ علیھا ہم پر مخفی رہے اور ہم اس سے آگاہ نہ ہوں تو فقط کم علمی شمار نہیں ہوگی بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں کمی واقع ہوگی، ہدایت کم ہو جائے گی، علم کم ہو جائے گا، سعادت کم ہو جائے گی، نجات کم ہو جائے گی۔

یقیناً اسوائیت کا خلا بہت بڑا خلا ہے جس کو کوئی اور چیز نہیں بھر سکتی، صرف اسوہ ہی اس کو بھر سکتا ہے یعنی اسوہ کو آپ محبت، عقیدت اور علم سے نہیں بھر سکتے ہیں۔ اسوائیت کے اس خلاء کو کسی اور چیز سے نہیں بھرا جا سکتا۔ اس کو بالآخر اسوائیت اور سیرت ہی سے بھرنا ہو گا۔

جیسے عرض کیا کہ ہماری بحث ابھی توحید میں ہے کہ توحید بعنوانِ سیرت بیان کی جائے ،توحیدِ عملی، معصومؑ اور اسوہ کی ذات میں ایک ضابطہِ حیات ہے،نہ ایک علمی اور اقتصادی فائل ہے، ضابطہِ حیات اور اقتصادی اور علمی فائل میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

حضرت سیدہ سلام اللہ علیھا کی زندگی کو بعنوانِ اسوہ اگر ہم دیکھیں تو ہم بیسیوں بلکہ سینکڑوں قرآنی اور اسلامی اصول فقط حضرت زہرا سلام اللہ علیھا کی سیرت سے استنباط کر سکتے ہیں، یہ جو اتنا ارجمند مقام اور فضیلت اور اتنا عالی درجہ حضرت زہرا سلام اللہ علیھا کا ذکر ہوا ہے ، حضرت زہرا سلام اللہ علیھا کی فضیلت اس وجہ سے نہیں ہے کہ چند روایات جو حضرت زہرا سلام اللہ علیھا کے بارے میں ہیں کہ اگر کوئی ان روایات کی سند میں خدشہ ظاہر کر دیں تو فضائلِ حضرت زہرا سلام اللہ علیھا معاذ اللہ ختم ہو جائیں گے ،نہ،روایات کی وجہ سے فضیلت نہیں ہے بلکہ فضیلت کی وجہ سے وہ روایات وارد ہوئی ہیں، چونکہ وہ بافضیلت ذات ہے اس وجہ سے معصومینؑ نے روایات بیان فرمائیں ہیں۔ مقصود کیا ہے؟ بعض ایسی شخصیات ہوتی

ہیں کہ جن کے اندر کچھ بھی نہیں ہوتا ہے اور فقط انکے بارے میں دوسرے لوگوں کے اظہارات ہوتے ہیں یعنی دوسروں نے ان کو بزرگ، اور بڑا بنایا ہوتا ہے ورنہ خود ان کے اندر کوئی بڑائی موجود نہیں ہوتی اور ایسا تاریخ میں اوّل سے ابھی تک ہوتا آیا ہے کہ اگر ان اقوال اور اظہارات سے صرفِ نظر کرکے خود ان کی ذات کو دیکھیں تو صرف دوسروں کی ستائش و مدح و تعریف کے علاوہ ان کی ذات کے اندر کچھ بھی نظر نہیں آئے گا۔ یہی کلِّ کمال ہے ان کا کہ ان کے بارے میں فلاں ابن فلاں نے یہ کہا۔

پس یوں نہیں ہے کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیھا وہ ذات ہیں جن کو معصومینؑ نے اپنی جدّہ یا قرابت یا نسب کی وجہ سے بزرگ کیا ہے، نہ، بلکہ یہ وہ ذات ہے جس کو خدا نے بزرگ کیا ہے اور خدا جس کو بزرگ کرے فقط اقوال کے ذریعے بزرگ نہیں کرتا، بلکہ خدا فضائل، کمالات، درجات اور مراتب کے ذریعے سے اس کو بزرگ کرتا ہے اور یہ اقوال ہمارے لئے صرف ارشادیت کا پہلو رکھتے ہیں، اہلِ علم اس مطلب کو سمجھتے ہیں۔ ارشادی ان اقوال کو کہتے ہیں

جو فقط جہت دیتے ہیں یا ہماری رہنمائی کرتے ہیں کہ اس زاویے سے بھی اس بات کو دیکھو مثلاً جس طرح آپ کوئی ایڈریس ڈھونڈ رہے ہیں تو کوئی آپ کو سمجھا دیتا ہے کہ اس گلی سے جاؤ، نزدیک تر ہے کہ اس نے فقط ہماری رہنمائی کی اور ارشاد کیا، نہ کہ اس کے کہنے کو بھی ایڈریس میں دخل ہے۔ وہ نہ بھی کہتا تو بھی راستہ یہی ہے، وہ کہہ دے تو بھی راستہ یہی ہے۔ فقط اس نے ہماری سرگردانی ختم کی ہے، ہماری حیرت اس نے کم کی ہے اور وقت بچایا ہے، ممکن ہے کہ ہم دیر سے پہنچتے، اس نے رہنمائی کر کے ہمیں جلدی پہنچا دیا۔ لہذا جو فرامین حضرت زہرا سلام اللہ علیھا کے بارے میں موجود ہیں، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیکر دیگر بزرگوار ہستیوں تک، یہ سب ہماری راہنمائی کے لیے ہیں، کس کی طرف راہنمائی ہے؟ انہوں نے پرستش کی طرف شخصیت سازی نہیں کی کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیھا کو بھی دوسری شخصیات کی طرح بزرگ کرنا چاہا، نہ، بلکہ عام انسانوں کی اسوہ کی طرف رہنمائی کی ہے، جس طرح قرآن نے حضرت ابراہیمؑ کی طرف راہنمائی کی ہے۔

جن انبیاء کا سب سے زیادہ قرآن میں تذکرہ آیا ہے ان میں سے ایک حضرت ابراہیمؑ ہیں، تعجب ہے کہ قرآن نازل پیغمبر اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم پر ہوا ہے جن کا دو مرتبہ قرآن میں نام آیا ہے

جبکہ زیادہ ذکر حضرت ابراہیمؑ کا آیا ہے۔

خداوند تبارک و تعالیٰ نے حج پر جو طلب کیا ہے ،وہی روحِ حج امیر المومنینؑ نے نہج البلاغہ میں بیان فرمایا ہے کہ کیوں خدا نے بلایا ہے؟ اس لئے بلایا ہے تا کہ لوگ آکر مواقفِ انبیاءؑ پر قیام کریں،

"وَوَقَفُوا مَوَاقِفَ أَنْبِيَائِهِ ، وَتَشَبَّهُوا بِمَلَائِكَتِهِ الْمُطِيفِينَ بِعَرْشِهِ"

مواقفِ انبیاءؑ پر آکر توقف کریں، قیام کریں، اور دوم یہ کہ

"وَتَشَبَّهُوا بِمَلَائِكَتِهِ"

تشبیہ پیدا کریں، ملائکہ کے ساتھ اپنی شباہت پیدا کریں یعنی حج پر جانے کا مقصد یہ ہے کہ انسان انبیاءؑ کے ساتھ اپنی شباہت پیدا کریں، شبیہِ انبیاءؑ بنیں اور ملائکہِ خداؑ کے ساتھ اپنی تشابہ پیدا کریں، شبیہ کس طرح سے بنے گا؟ جب ان کی سیرت سے آشنا ہو گا، جب

ان کے طرزِ زندگی سے آشنا ہوگا۔ یہ مغالطہ عموماً ذہنوں میں موجود ہوتا ہے اور بعض اہلِ علم بھی عوام زدگی کی وجہ سے مغالطے کا شکار ہو جاتے ہیں کہ وہ کہاں اور ہم کہاں؟ یہ درست ہے کہ اگر مقصد، کمالات اور فضائل کا حصول ہو تو اصلاً قابلِ قیاس نہیں ہے اور ہمارے لیے ان کے جیسا بننا ممکن نہیں ہے۔

" اَیْنَ التُّراب وَ رَبُّ الاَرْباب "

اصلاً ان کا عام لوگوں سے کوئی مقام قابلِ قیاس نہیں ہے، لیکن جب عوام کہتے ہیں کہ وہ کہاں ہم کہاں؟ نفی کمالات کی نہیں کر رہے ہوتے ہیں بلکہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ ہمیں ان کی راہ پر چلنے کی ضرورت نہیں ہے وہ کہاں اور ہم کہاں؟ یعنی ہم کس طرح ان کے راستے پر چلیں، در حقیقت دلیل وہ دیتے ہیں اور نتیجہ اپنے مطلب کا لیتے ہیں۔

آپ یہاں سے دور دراز ممالک کی طرف جاتے ہیں مثلاً امریکا یا آسٹریلیا وغیرہ۔ یہاں بھی نہ کہو کہ وہ کہاں ہم کہاں؟ کیونکہ بہت

دور ہے لیکن بالآخر آپ جاتے ہیں۔ اپنی ضرورت کے تحت یہ سفر آپ کو طے کرنا پڑتا ہے۔

جبکہ اہلبیتؑ کے لیے یہ مغالطہ ہے کہ وہ کہاں ہم کہاں؟ ہاں، نہج البلاغہ میں ہے کہ اہل بیتؑ کو ماسوائے اہل بیتؑ سے آپ تقابل نہیں کر سکتے ہیں مگر صرف فضائل کے لحاظ سے، لیکن ان کو خداوند تبارک و تعالیٰ نے کیوں مقرر کیا؟ انسانوں کی ہدایت کیلئے تاکہ ہم ان کے نقشِ قدم پر چلیں، نقشِ قدم پر چلنا یعنی ان کا طرزِ زندگی اپنانا تاکہ ہماری زندگی ان کی زندگیوں سے مشابہ ہو جائے، نہ کہ ہم ان کے درجات و کمالات پر پہنچ جائیں، ان کے ساتھ تشابہ پیدا کریں۔ یہ روحِ فلسفۂ حج ہے۔

عکسِ توحید در سیرت حضرت زہرا علیہا السلام

نمایاں ترین ضابطہ جو آئمہ معصومینؑ، تمام انبیاءؑ اور بالخصوص حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کی زندگی پر حکم فرما ہے، وہ توحید ہے۔ گھریلو زندگی، فردی زندگی، عائلی زندگی، اجتماعی زندگی، دینی زندگی، مبارزاتی زندگی، سیاسی زندگی، جو کچھ حضرت سیدہ سلام اللہ

علیھا کی زندگی میں ہمیں ملتا ہے یعنی ان سب کے اوپر رنگِ توحید چڑھا ہوا ہے۔ توحید، حضرت سیدہ سلام اللہ علیھا کے ذہن یا دل میں اعتقادی یا علمی فائل کی طرح نہیں ہے بلکہ توحید ایک اصل اور ضابطہ ہے، جو حیاتِ حضرتِ سیدہ سلام اللہ علیھا کے تار و پود میں سرایت کئے ہوئے ہے، بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔ یعنی گفتار میں، بولنے میں، سننے میں، اٹھنے میں، بیٹھنے میں، آنے میں، جانے میں غرضیکہ ہر عمل میں طرز و رنگ توحید کا چڑھا ہوا ہے۔ یعنی طرزِ رفتار توحیدی ہے، طرزِ گفتار توحیدی ہے، طرزِ قیام توحیدی ہے، طرزِ قعود توحیدی ہے، طرزِ معاشرت توحیدی ہے، طرزِ مبارزہ توحیدی ہے، خصوصاً اسوہ کو جب ہم متعارف کروا رہے ہوتے ہیں تو ہونا تو یہ چاہیے کہ ہم اسوہ کا صحیح طرح سے تصویر پیش کریں اور پھر اس آئینے میں خود کو دیکھیں، لیکن ہم برعکس کرتے ہیں، اسوہ اس طرح سے پیش کرتے ہیں جس طرح ہم پر تطبیق کرے، یعنی اسوہ کو لے آتے ہیں نچلی سطح پر۔ بجائے اس کے کہ خود بلند ہوں اور اسوہ کی سطح پر جائیں، اسوہ کو کھینچ کر بہت نیچے لے آتے ہیں۔

جس طرح آپ قرآن کی جتنی سطحی اور سبک تفسیر کریں گے اتنا لوگ قرآن سے دور ہوں گے۔ اس طرح معصومینؑ کی زندگی کی جتنی سطحی تفسیریں کریں گے اتنا ہی لوگ بیزار ہونگے، جاذبہ معصومینؑ کی زندگی کا یہ ہے کہ وہ عمیق وگہرائی اور کشش جو سیرت کے اندر موجود ہے، صرف وہ کھول کر لوگوں کے سامنے بیان کریں، اس میں اتنی کشش ہے کہ امامؑ نے خود فرمایا کہ آپ کو رنگ چڑھانے کی اور مصالحے لگانے کی ضرورت نہیں ہے، کافی ہے کہ ہمارا کلام لوگوں کے سامنے آپ پیش کریں، اس کی سُبک اور سطحی تفسیر آپ نہ کریں، جیسا ہمارا کلام ہے یہی لوگوں کو پیش کریں تاکہ لوگ سمجھ جائیں کیونکہ ہمارے کلام میں جاذبہ موجود ہے۔

خطبۂ فدک، خطبۂ توحیدی

اب ہم مطالعہ کریں گے کہ توحید کس طرح سے حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے کلام پر غالب ہے اور اس طرح سے ہر ہر شعبے پر بلکہ تمام زندگی پر توحید غالب ہے، یہی معروف خطبہ جس میں ہم فقط احتجاجی پہلو کو نظر میں رکھتے ہیں، در حقیقت بہت جامع خطبہ ہے۔

اگر ہم اس کو عنوان دینا چاہیں تو، توحیدی خطبہ کا عنوان نہایت ہی موزوں ہے، اسی توحید و خداپرستی کا نتیجہ یہ خطبہ ہے، اگر حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے وجود میں توحید ضعیف ہوتی تو معاذاللہ ہر گز یہ خطبہ ظاہر نہ ہوتا اور اصل مبارزہ، قیام و حقیقت پیش نہ ہوتی۔

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کے دو خطبے معروف ہیں۔ ایک مسجد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لوگوں کے سامنے احتجاج کے طور پر بیان فرمایا اور دوسرا جب حضرت سلام اللہ علیہا کی عیادت کے لیے انصار کی خواتین آئیں، ان کے سامنے خطبہ بیان فرمایا۔ پہلا خطبہ جو حضرت سلام اللہ علیہا نے اپنے حق کیلئے بیان فرمایا اس کا آغاز یوں ہوتا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلیٰ ما اَنْعَمَ، وَلَہُ الشُّکْرُ عَلیٰ ما اَلْھَمَ، وَالثَّناءُ بِما قَدَّمَ، مِنْ عُمُومِ نِعَمٍ اِبْتَدَاَھا، وَسُبُوغِ آلاءٍ اَسْداھا، وَتَمامِ مِنَنٍ اَوْلاھا، جَمَّ عَنِ الْاِحْصاءِ عَدَدُھا، وَنَأی عَنِ الْجَزاءِ اَمَدُھا، وَتَفاوَتَ عَنِ الْاِدْراکِ اَبَدُھا، وَنَدَبَھُمْ لِاسْتِزادَتِھا بِالشُّکْرِ لِاتِّصالِھا، وَاسْتَحْمَدَ اِلَی الْخَلائِقِ بِاِجْزالِھا، وَثَنیٰ بِالنَّدْبِ اِلیٰ اَمْثالِھا.

"حمد ہے اُس ذات کی جس نے نعمتیں عطا فرمائیں"

حمد و ثنائے پروردگار کے ساتھ ابتدا کی، یعنی فقط اس لیے کہ جب ایک اسوہ زبان کھولتا ہے تو کس طرح سے اس کی بات اور گفتگو پر توحید اور الٰہی رنگ چڑھا ہوتا ہے۔

اگر معصومؑ ہمیں اپنے سے بہت دور لگتے ہیں تو غیر معصوم میں بھی یہ چیزیں موجود ہیں۔ جنہوں نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو بعنوانِ سیرت اپنایا ہے، نہ کہ ایک فائل حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کی کھول لی اور باقی تمام مسائل میں جو کچھ مرضی میں آتا ہے کرتے ہیں۔ مثلاً ایک دکاندار ہزار فریب کر کے، جھوٹ بول کر، جھوٹی قسمیں کھا کر، کم تول کر، ساتھ ہی مجلس شروع ہوتی ہے تو دکان بند کر کے مجلس میں جا کر حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے لیے رونا شروع کر دے، سب کچھ اس نے جمع کیا ہوا ہے جیسے کہ ایک ریکارڈ روم میں سب کچھ جمع ہوتا ہے ہر فائل وہاں پڑی ہوتی ہے۔ جیسے صوبہ سرحد میں پشتون لوگوں میں بعض مذہبی رسومات کے بہت سخت پابند ہوتے ہیں۔ ازجملہ نماز کے ساتھ ساتھ دوسرے بھی دھندے کرتے ہیں، مثلاً قمار کھیلتے ہوئے، جوا کھیلتے ہوئے لیکن

جب نماز کا وقت ہوتا ہے تو اُٹھ کر نماز بھی پڑھ لیتے ہیں، جب سوال کیا جائے کہ یہ دونوں کام کیسے کرتے ہو؟ تو کہتے ہیں وہ میری عبادت ہے اور یہ میرا مشغلہ ہے، ان دونوں میں آپس میں تضاد نہیں ہے، وہ اور چیز ہے یہ اور چیز ہے، اگر وہ دونوں عبادتیں ہوتیں یا دونوں مشغلے ہوتے پھر مشکل ہوتا، یعنی ایک فائل وہ ہے ایک فائل یہ ہے۔ وہ الگ ہے یہ الگ ہے، اس طرح سے ہم سب کی زندگیاں تضادات کا شکار ہیں۔

حضرت زہرا سلام اللہ علیہا پر بولنے والے خطیب جس بھی انداز میں بولتے ہیں، خوب ہے۔ اچھی بات ہے لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے طرزِ عمل کے ساتھ، حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کے طرزِ گفتار کے ساتھ ہماری زندگیوں میں تضاد کیوں پایا جاتا ہے؟

زندگانیِ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ پر رنگِ الٰہی

بعض ایسی شخصیات ہیں جنہوں نے حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو فقط عقیدتی اور علمی طور پر نہیں اپنایا، بلکہ سیرت کے طور پر حضرت

زہرا سلام اللہ علیھا کو اپنایا ہے۔ جیسے امام خمینیؒ، حضرت زہرا سلام اللہ علیھا کی شخصیت میں ضم ہیں یعنی جس طرح حضرت زہرا جب زبان کھولیں، جب کوئی کلمہ زبان سے ادا کریں، اس کلمے پر رنگِ خدا چڑھا ہوتا ہے ،اسی طرح امام خمینیؒ نے بھی یہ سیرت معصومینؑ سے اپنائی ہے۔ آپ امام خمینیؒ کا کوئی بھی جملہ سنیں تو اس جملے میں توحید ہی توحید نظر آتی ہے یعنی ہر جملے اور ہر کلام سے توحید اور رنگِ الٰہی ٹپکتا ہے یعنی جو کام خود اپنے ہاتھ سے یعنی شخصاً انجام دیے ہیں ان کو بھی کبھی نہیں کہا کہ میں نے کیے ہیں بلکہ کہا خداوندِ متعال نے کیے ہیں۔ لوگوں کو خداوندِ متعال نے تبدیل کیا ہے، خداوندِ متعال نے ان جوانوں کو تبدیل کیا ہے، خداوندِ متعال نے ان طاغوتوں کو شکست دی ہے، خداوندِ متعال نے ہمارے دشمنوں کو ذلیل اور رسوا کیا ہے، خداوندِ متعال نے ہمیں عزّت دی ہے، خداوندِ متعال نے خرّم شہر کو آزاد فرمایا ہے۔ یہ صرف ایک ادب نہیں ہے بلکہ معصومینؑ کی زندگی میں ضم ہونے اور راسخ ہونے کا نتیجہ ہے، عموماً ایسے ہی ہوتا ہے کہ ہم بھی جس سے متاثر ہوتے ہیں اس کی حرکات و سکنات ہماری زندگی میں سرائیت کر جاتی

ہیں، اسوہ کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کی زندگی میں موجود اُصول، اس کی تاسّی اور تعلق کی وجہ سے ہماری زندگی میں سرائیت کر جائیں، اور ہماری رفتار و گفتار بھی وہی بن جائیں۔

اگر ہم اقوال حضرت سیدہ سلام اللہ علیھا کو جمع کرنا چاہیں خواہ وہ رسول خدا ﷺ کے محضر میں ہوں، امیر المومنینؑ کی خدمت میں ہوں یا اپنے بچوں کے ساتھ ہوں، تمام پر توحید سایہ فگن نظر آئے گی۔ اس جملے میں کسی قسم کا مبالغہ نہیں بلکہ ایک حقیقتِ محض ہے اور حقیقتِ محض بھی قابلِ تجربہ ہے یعنی کوئی بھی آکر اس کو تصدیق کر سکتا ہے۔

یہ قابلِ تصدیق ادّعا ہے، کہ جس قدر عالی و عمیق و مضبوط و محکم توحید تشیع کے اندر ہے اور آئمہِ تشیعؑ نے جس انداز میں توحید کو بیان کیا ہے کسی مسلک و مکتب میں موجود نہیں ہے، مسیحیت و یہودیت آپ کے سامنے ہیں، جو حشر انہوں نے توحید کا کیا ہے، قرآن نے بھی ان کی توحید کو بیان کیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ وَمَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّآ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ

معاذاللہ یہ ان کی توحید ہے، اسی طرح سے مسلمانوں کے اندر آ کر دیکھیں جنھوں نے اہل بیتؑ کو چھوڑ کر دوسرے منابع کی طرف رجوع کیا ان کے ہاں بھی توحید بالآخر موجود ہے، ان کے بھی منابع، مدارک اور کتب موجود ہیں، ان کی بھی سب تعلیمات موجود ہیں، کوئی پنہانی چیز نہیں ہے اور تعلیماتِ اہلبیتؑ بھی موجود ہیں، اب قرآن مشترک ہے لیکن باقی جس کے وہ قریب نہیں آتے وہ نہج البلاغہ ہے۔

مرحوم صدوقؒ فرماتے ہیں کہ کتابِ توحید میں صرف وہ روایات میں نے نقل کی ہیں جن کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ ان کے ذریعے سے کوئی انسان بہک نہیں جائے گا، ورنہ بابِ توحید میں ایسے اِسرار و رموز موجود ہیں جو اکثر میں نے چھوڑ دیے ہیں، یعنی بہت سارے توحید کے مطالب بعض جہلاء یا سادہ لوح لوگوں کے خوف سے نقل نہیں کیے۔ دوسرے الفاظ میں مرحوم صدوقؒ نے متوسط قسم کی روایات بابِ توحید میں نقل کی ہیں جن کا سمجھنا ہمارے لیے آسان تھا۔

نہج البلاغہ کا خطبہ اوّل توحیدی ہے پھر اس کے بعد دیگر خطباتِ نہج البلاغہ ہیں، پھر اس کے بعد اصولِ کافی میں توحید ہے اور سب سے بڑھ کر صحیفہ کاملہ توحیدی ہے اور اس طرح کے جو توحیدی منابعِ دیگر موجود ہیں ان کی طرف رجوع کرنے سے بخوبی انسان کو پتہ چلتا ہے کہ کس درجے پر آئمہ معصومینؑ نے توحید کو پیش کیا ہے، افسوس کا مقام بھی یہی ہے کہ جن بزرگواروں نے توحید کو اس عالی سطح پر پیش کیا ہے ان ہی کے نام سے منسوب مذہب و مسلک کے پیروکار سوائے توحید کے ہر چیز سے آشنا ہیں۔

ثنائے توحیدی سے خطبے کا آغاز

حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا کا یہ خطبہ شروع ہوتا ہے۔

"اَلْحَمْدُ للّٰہِ عَلی ما اَنْعَمَ ، وَلَہُ الشُّکْرُ عَلی ما اَلْھَمَ"

صرف نمونے کے طور پر تبرکاً عرض کیا جارہاہے کہ یہ گفتارِ جنابِ سیدہ سلام اللہ علیہا ہے، حمد ہے اس خدا کی جس نے انعام کیا ہے، نعمتیں عطا کی ہیں، اور شکر ہے اس ذات کا جس نے الہام فرمایا ہے۔

"وَ الثَّنَاءُ بِمَا قَدَّمَ"

اور ثناء ہے اس کی جو کچھ اس نے ہمیں عطا کیا ہے۔

"مِنْ عُمُومِ نِعَمٍ اِبْتَدَاَهَا، وَسُبُوغِ اٰلاءٍ اَسْدَاهَا، وَتَمَامِ مِنَنٍ اَوْلاهَا، جَمَّ عَنِ الْاِحْصَاءِ عَدَدُهَا، وَ نَأَى عَنِ الْجَزَاءِ اَمَدُهَا ، وَ تَفَاوَتَ عَنِ الْاِدْرَاكِ اَبَدُهَا، وَنَدَبَهُمْ لِاِسْتِزَادَتِهَا بِالشُّكْرِ لِاِتِّصَالِهَا، وَ اسْتَحْمَدَ اِلَى الْخَلَائِقِ بِاِجْزَالِهَا، وَثَنَى بِالنَّدْبِ اِلَى اَمْثَالِهَا"

یہ وہ خطبہ ہے جو ان لوگوں کے سامنے بیان فرمایا جس کے دوسرے حصے میں احتجاج ہے اور اس میں فدک کا ذکر بھی ہے لیکن خطبے کی ابتدا، توحیدِ محض و توحیدِ خالص سے شروع ہوتی ہے۔

وَ ثَنَى بِالنَّدْبِ اِلَى اَمْثَالِهَا. وَ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، كَلِمَةٌ جَعَلَ الْاِخْلَاصَ تَأْوِيلَهَا، وَ ضَمَّنَ الْقُلُوبَ مَوْصُولَهَا، وَ اَنَارَ فِي التَّفَكُّرِ مَعْقُولَهَا، اَلْمُمْتَنِعُ عَنِ الْاَبْصَارِ رُؤْيَتُهُ، وَمِنَ الْاَلْسُنِ صِفَتُهُ، وَمِنَ الْاَوْهَامِ كَيْفِيَّتُهُ. اِبْتَدَعَ الْاَشْيَاءَ لَا مِنْ شَيْءٍ كَانَ قَبْلَهَا، وَ اَنْشَاَهَا بِلَا احْتِذَاءِ اَمْثِلَةٍ اِمْتَثَلَهَا، كَوَّنَهَا بِقُدْرَتِهِ وَ ذَرَأَهَا بِمَشِيَّتِهِ،

مِنْ غَیرِ حاجَةٍ مِنْهُ اِلی تَکْوینِها ، وَلافائِدَةٍ لَهُ فی تَصْویرِها ، اِلاّ تَثْبیتاً لِحِکْمَتِهِ وَتَنْبیهاً عَلی طاعَتِهِ،

یوں نہیں کہ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا سمجھ رہی ہو کہ پہلے میں عدالت میں ہوں پھر محضرِ خدا میں۔ بلکہ فرمارہی ہیں عدالت میں پیش ہو کر بھی میں سب سے پہلے محضرِ خدا میں ہوں، اصلاً یہی توحید ہے کہ انسان بھول نہ جائے، جب میں دشمن کے سامنے ہوں تو بھی پہلے خدا کی بارگاہ میں ہوں، جب میں اپنے مخالف کے سامنے ہوں تو بھی پہلے خدا کی بارگاہ میں ہوں، خدا کو نظر انداز کرکے فقط مخالف کی طرف متوجہ ہونا یہ مشرکانہ توجہ ہے، توجہ میں بھی انسان موحّد ہو، جس کی طرف بھی نگاہ کرے خدا سے توجہ نہ ہٹے،

" فَأَیْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ "

خدا سے توجہ کم نہ ہو، رنگِ توحید یہ ہے۔ امیر المومنینؑ جنگ میں بھی جاتے تھے، ساری توجہ یوں نہیں کہ دشمن پر ہوتی تھی بلکہ سب سے پہلی توجہ خدا پر تھی، چونکہ خدا کی طرف توجہ تھی اس لیے عمر ابن عبدود کو جنگِ خندق میں پہلی مرتبہ پکڑ کر پھر چھوڑ دیا (کیونکہ

اس نے امام علیؑ پر تھوکا تھا) اور پھر دوسری مرتبہ پکڑ کر وار کیا تاکہ وار بھی توحیدی ہو۔

جب حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا عدالت میں گئیں تو پہلے خدا پر نظر تھی اور کس سطح کی بات کی؟ یعنی عدالت میں جاکر اس طرح توحیدی خطبے اور نقطے بیان فرمائے کہ کلاسِ درس بھی اس سے قاصر ہے کہ یہ نقاط ہمارے لئے بھاری ہیں، اگر ایک اعتقادی درس ہو توحید کا اور وہاں ایک مدرّس آئے اور ہمیں یہ باتیں پڑھانا شروع کر دے تو ہم سمجھتے ہیں کہ شاید یہاں کے لیے بھی مناسب نہیں ہے۔

اس عدالت میں جاکر حضرت سلام اللہ علیہا خطبے میں توحیدی نقطہ بیان فرما رہی ہیں، اس محکمے میں کہ جہاں بحثِ توحید نہیں تھی اور بحثِ خدا نہیں تھی، بحث حق کی تھی لیکن اپنے حق نے بھی توجہ خدا سے دور نہیں کی، اور یہ بھی حضرتؑ کو معلوم تھا کہ اس قوم کی بھی مشکل یہی ہے کہ یہ خدا سے دور ہیں، یعنی ان کے ذہنوں میں بھی خدا کی ایک فائل کھلی ہوئی ہے، صرف علمی فائل کھلی ہوئی ہے اور بعضوں کے اندر عقیدتی فائل ہے، جیسا کہ حضرت سیدہ سلام اللہ

علیھانے ان کو تذکر دیا کہ تمہیں خدا کا خوف نہیں ہے؟ خدا سے ڈرتے نہیں ہو؟ تمہارے دلوں میں خشیتِ خدا نہیں ہے؟ ظاہر ہے کہ جن کے دلوں میں خدا ایک فائل کے طور پر ہو ان کی مختلف صفات میں خدا نہیں ہوتا ہے مثلاً امیدوں میں خدا نہیں ہوتا، خوف میں خدا نہیں ہوتا، تعلقات میں خدا نہیں ہوتا، آرزوؤں میں خدا نہیں ہوتا، فیصلے میں خدا نہیں ہوتا، ترجیحات میں خدا نہیں ہوتا، کیوں؟ اس لیے کہ ترجیحات کی فائل الگ ہے، خدا کی فائل الگ ہے اوران فائلوں کو کوشش کرتے ہیں کہ آپس میں مخلوط نہ ہوں۔ اس لیے جب ڈرتے ہیں تو سوائے خدا کے سب سے ڈرتے ہیں، جب امید باندھتے ہیں توسوائے خدا کے سب سے امید باندھتے ہیں۔

قوم کی بنیادی مشکلات

حضرت سیدہ سلام اللہ علیھانے بھی فرمایا کہ اس قوم کی بنیادی مشکل کیا ہے؟ یہ اتنے جری کیوں ہو گئے ہیں؟ کیوں اتنے جسور ہوگئے ہیں؟ کہ اپنے ہی رسول ﷺ، اپنے ہی رہبر، اپنے ہی پیشوا

اور اس کے خاندان کے ساتھ ابھی کچھ دن کی رحلت کے بعد یہ سلوک کیوں روا رکھا؟ ان کی مشکل کہاں تھی؟ بنیادی مشکل یہی تھی کہ ان کے ہاں خدا نہیں ہے۔

امام خمینیؒ نے گورباچوف کو جو خط لکھا تھا اس میں یہی فرمایا تھا، جب کہ دوسرے لوگوں نے کہا کہ آپ کا اقتصادی نظام خراب ہے، آپ کا سیاسی نظام خراب ہے، آپ میں فلاں مشکل ہے، آپ کی بیوروکریسی خراب ہے، آپ کا یہ شعبہ ناقص ہے، کمیونزم اور سوشل ازم پر فراوان تنقیدیں ہوئں اور ہر پہلو سے لوگوں نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اظہارِ نظر کیا۔ امام خمینیؒ نے فرمایا کہ آپ کی سب سے بڑی مشکل نہ اقتصاد ہے اور نہ کوئی اور چیز ہے بلکہ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ آپ کے نظام میں خدا نہیں ہے۔ یہ آپ کی بڑی کمزوری ہے۔ جب انہوں نے امامؒ کے خط کا جواب دیا (یہ خیر سگالی کا خط تھا)، انہوں نے اپنی ڈپلومیسی کا جواب دیا تا کہ اس خط کی وجہ سے دونوں ملکوں کے تعلقات اور زیادہ بہتر ہو جائیں، امامؒ نے یہی فرمایا کہ میں کسی اور طرف لے جانا چاہتا تھا تم کسی اور طرف

لے گئے، میں تمہیں ان جنجالوں سے اور انہی خیر سگالی کے مسائل سے نکال کر کسی اور طرف لے جانا چاہ رہا تھا لیکن لگتا ہے کہ تمہارے موٹے دماغ ہیں، وہ باریک نقطۂ توحیدی تمہیں سمجھ نہیں آیا۔ مولانا رومؒ کے بقول کہ

نکته‌ها چون تیغ پولاد است تیز
گر نداری تو سپر واپس گریز

باریک نکتے و لطیف نکتے شمشیر کی طرح تیز ہوتے ہیں اور مولانا رومیؒ کہتے ہیں کہ اے پسر! یہاں سے بھاگ جاؤ۔ یہ تمہیں زخمی کر دیں گے، واقعاً ان نکتوں کو پانے کے لئے بھی انسان کے اندر لطافت ہونی چاہیے، حضرت سیدہ سلام اللہ علیھا نے بھی یہی تشخیص دیا کہ اس قوم کے اندر سب سے بڑی مشکل یہی ہے کہ خدا سے آشنا نہیں ہیں، خدا سے دور ہیں، بے شک جب پوچھو تو نام خدا کا لیتے ہیں جبکہ صرف خدا کی ایک فائل کھلی ہوئی ہے، جیسے آپ کمپیوٹر میں ایک فائل حمد کی، ایک نعت کی، ایک قصیدے کی، ایک نوحے کی ڈال دیں پھر جس پر کلک کریں وہ بولنا شروع ہو جاتا ہے، لیکن آپس میں ان کا کوئی ربط نہیں ہوتا، ہم جب قصیدہ لکھتے ہیں تو اس میں بھی

توحید نہیں ہوتی، جب نعت لکھتے ہیں اس میں بھی توحید نہیں ہوتی ،مثلاً بہت ساری نعتیں ہیں جن میں دیکھیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ معاذ اللہ خدا ایک ثانوی چیز ہے، رسول ﷺ بھی ثانوی چیز ہے، اصل مدینہ ہے۔ اسی طرح سے بہت سارے قصیدوں میں جا کر آپ دیکھیں تو یہی رنگ قصیدوں میں بھی ملتا ہے۔

"مِنْ غَیرِ حاجَۃٍ مِنْہُ اِلی تَکْوِینِھا ، وَلافائِدَۃٍ لَہُ فی تَصْویرِھا ، اِلاّ تَثْبِیتاً لِحِکْمَتِہِ وَ تَنْبیھاً عَلی طاعَتِہِ، وَ اِظْھاراً لِقُدْرَتِہِ وَ تَعَبُّداً لِبَرِیتِہِ، وَ اِعْزازاً لِدَعْوَتِہِ، ثُمَّ جَعَلَ الثَّوابَ عَلی طاعَتِہِ، وَ وَضَعَ الْعِقابَ عَلی مَعْصِیتِہِ، ذِیادَۃً لِعِبادِہِ مِنْ نِقْمَتِہِ وَحِیاشَۃً لَھُمْ اِلی جَنَّتِہِ"

رازِ عظمتِ رسولِ خدا ﷺ

خطبہ جناب زہرا سلام اللہ علیہا میں یہاں تک تو فقط حمد و ثناءِ خدا ہے، اس کے بعد جب پیغمبرِ اکرم ﷺ کی باری آئی تو بھی ثنائے توحیدی ہی کی ہے، ثنائے توحیدی کیا ہے؟ یعنی دخترِ رسول اللہ ﷺ، ثناء، پیغمبر اکرم ﷺ کی کر رہی ہیں لیکن رنگ اس کے اوپر بھی توحید کا

ہے، کس طرح سے رنگِ توحید ہے؟ حالانکہ ابھی عاشقانِ مدینہ جو خود مدینے میں موجود ہیں، رسولؐ کو جانتے ہیں مگر حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا اُن سب سے بہتر سب کچھ جانتی ہیں، باپ سے بھی اُن سے زیادہ محبت رکھتی ہیں اور مدینے سے بھی، لیکن ثنائے توحیدی کس طرح سے فرماتی ہیں، آپ دیکھیں! کسی جگہ بھی نہیں فرمایا کہ اصالت، پیغمبرِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو حاصل ہے اور خدا معاذ اللہ ثانوی چیز ہے بلکہ پہلے پیغمبر اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم پر درود و سلام، پھر مقام و موقعیت پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم بیان کی، یعنی اصالت ساری خدا کو ہے، پہلے رابطہِ پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم و خدا معلوم ہو جائے کہ کیا ہے؟ یہ سب سے بڑی ثناء ہے کسی انسان کی کہ اس کا رابطہ خدا سے کیا ہے۔

"وَ اَشْهَدُ اَنَّ اَبِی مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ"

قریش اور ہاشمی ہونے سے تعارف شروع نہیں کیا، اپنے آپ سے تعارف شروع نہیں کیا بلکہ کیا کہا؟

"وَ اَشْهَدُ اَنَّ اَبِی مُحَمَّداً عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ"

میں گواہی دیتی ہوں کہ میرے والد عبدِ خدا اور رسولِ خدا ﷺ ہیں، خدا نے ان کو مبعوث فرمایا ہے، یہ ثنائے توحیدی ہے۔

اِخْتَارَہُ قَبْلَ اَنْ اَرْسَلَہُ، وَسَمَّاہُ قَبْلَ اَنْ اِجْتَبَاہُ، وَاصْطَفَاہُ قَبْلَ اَنْ اِبْتَعَثَہُ، اِذِ الْخَلَائِقُ بِالْغَیْبِ مَکْنُونَۃٌ، وَبِسَتْرِ الْاَھَاوِیلِ مَصُونَۃٌ، وَبِنِھَایَۃِ الْعَدَمِ مَقْرُونَۃٌ، عِلْماً مِنَ اللّٰہِ تَعَالیٰ بِمَائِلِ الْاُمُوْرِ

خدا نے انہیں چنا ہے، وہ خدا کے منتخب و برگزیدہ ہیں، توجہ کریں کہ ہر جگہ خدا ہے، اس سے پیغمبر اکرم ﷺ کو نظر انداز نہیں کیا جا رہا ہے، یعنی یہی تو سب کمالاتِ پیغمبر اکرم ﷺ ہیں کیونکہ رازِ عظمتِ رسولِ خدا ﷺ عبودیتِ پیغمبر اکرم ﷺ میں ہے۔ عبودیت میں پیغمبر اکرم ﷺ سے بڑھ کر کوئی بھی موجود نہیں ہے اور عبودیتِ خدا کے ساتھ ایک ایسا رشتہ ہے کہ اگر عبودیت کا مفہوم کُھل جائے، تو بہت سارے راز انسان کو معلوم ہو جاتے ہیں، انسان اس عبودیت پر جب فائز ہو جائے تو اعلیٰ مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔

"وَاَشْھَدُ اَنَّ اَبِی مُحَمَّداً عَبْدُہُ وَرَسُولُہُ"

ہم بہت تیزی سے گزر جاتے ہیں اس جملے میں "عَبۡدُہٗ" سے حالانکہ یہ ٹھر کر غور و فکر کرنے کا مقام ہے۔

حقیقتِ اسوہ

اسوہ اس کو کہتے ہیں جس کی زندگی کے اوپر اصل، بعنوانِ بندگی حاکم ہو، یعنی ہر حال میں بندہِ خدا ہو، بندگی ایک صفت ہے جو کسی بھی حال میں اس سے زائل نہ ہو، چاہے گھر میں ہو یا لوگوں کے ساتھ ہو، نماز میں یا غیرِ نماز میں ہو، بندگی زائل نہ ہو یعنی یہ دائماً حالتِ نماز میں ہوتے ہیں۔ کیونکہ نماز میں انسان پر حالتِ بندگی طاری ہوتی ہے، لیکن جوں ہی ہم مصلے سے اٹھتے ہیں بندگی زائل ہو جاتی ہے، لیکن وہ لوگ جن کے بارے میں ہے کہ

خوشا آنان کہ دائم در نمازند

جو ہمیشہ نماز میں ہے، یعنی ہمیشہ بندگی کی حالت میں ہے، ایک لمحے اور ایک لحظے کے لیے بھی ان سے بندگی کی صفت جدا نہیں ہوتی۔

"وَ اَشۡھَدُ اَنَّ اَبِی مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَ رَسُولُہٗ اِخۡتارَہٗ قَبۡلَ اَنۡ اَرۡسَلَہٗ"

یعنی اس خدا نے ہی انہیں انتخاب کیا ہے،

"اِختارَہُ قَبلَ اَن اَرسَلَہُ"

اسی خدا نے ہی انہیں چُنا ہے،

اس سے پہلے کہ انہیں رسالت سونپی اور مرسل بنایا، پہلے انہیں انتخاب کیا ہے اور چن لیا ہے۔

"وَسَمّاہُ قَبلَ اَن اِجتَباہُ"

اور اس سے پہلے کہ اُن کی جبلّت و فطرت اور روح بنائے، پہلے انکا نام رکھا ہے۔

" وَ اصطَفاہُ قَبلَ اَن اِبتَعَثَہُ، اِذ الخَلائِقُ بِالغَیبِ مَکنُونَۃٌ، وَ بِستَرِ الاَھاوِیلِ مَصُونَۃٌ"

مبعوث کرنے سے پہلے انہیں صفوہ بنایا، یعنی خالص انتخاب کیا۔

"اِذ الخَلائِقُ بِالغَیبِ مَکنُونَۃٌ"

جب ساری مخلوقات مکنون در غیب تھیں پیغمبر اکرمؐ کو خدا نے صفوہ بنا کر انتخاب کیا۔ "صفوہ" خالص حصے کو کہتے ہیں۔

ادب، کمالِ انسانی

"وَبِسَتْرِ الْاَهَاوِيلِ مَصُونَةٌ"

"حول" دہشت والے خوف کو کہتے ہیں۔ جب انسان کسی عظمت کے سامنے حاضر ہو تو ایک دہشت طاری ہو جاتی ہے۔ یعنی جیسے کہتے ہیں کہ فلاں کو دیکھ کر انسان اپنا سر و پا گم کر بیٹھتا ہے، ہاتھ پاؤں گم ہو جاتے ہیں۔ ایسی شخصیت جس کا آپ کی نظروں میں بہت بڑا مقام ہے یا واقعاً جن کی آپکی نظروں میں تعظیم ہے یا کسی کے لیے کسی خاص مقام کے قائل ہیں، جب وہ شخصیت ناگہان سامنے آ جاتی ہے تو ہاتھ پاؤں گم ہو جاتے ہیں مثلاً زبان لڑکھڑا جاتی ہے، انسان بھول جاتا ہے کہ میں اب کیا کہوں، سلام کہنے کے بجائے خدا حافظ کہنا شروع کر دیتا ہے۔ حضرت زہراؑ فرماتی ہیں کہ ایک وقت ایسا تھا کہ مخلوق جب خدا کی اس قہاریتِ خدا، عظمتِ خدا اور جلالِ خدا

کے سامنے ہاتھ پاؤں گم کیے ہوئے تھیں۔ اس وقت مخلوق "مقنون" تھی، عظمتِ خدا کے سامنے پنہاں اور چُھپی ہوئی تھی اور ایک وقت پھر ایسا ہی ہو گا۔ صورِ اسرافیل کا مطلب ظہورِ قہاریتِ خدا ہے، ابھی تو صفاتِ جمالیتِ خدا ہر جگہ ہمیں نظر آتی ہیں، لہٰذا ہماری رونقیں لگی ہوئی ہیں لیکن جس دن وہ جلالِ خدا ظہور کرے گا، بقول شیخ سعدی کے

چو سلطان عزت علم برکشد

یعنی صفتِ عزتِ خدا ظہور کرے گی اور اسمِ شریفِ عزیز ظہور کرے گا،

جہان سربہ جیب ادب در کشد

اس دن سب کو پتہ چل جائے گا کہ ہم کیا ہیں؟ ابھی کیوں ہم اور دوسرے عزیز ہیں؟ چونکہ اس ذات نے صفتِ عزیز کے ساتھ ظہور نہیں کیا، جب وہ عزیز بن کر ظہور ہو گی، پھر سب کے سب اس کے سامنے چھپ جائیں گے، پنہاں ہو جائیں گے، دوسروں کا نمود نظر نہیں آئے گا، عیناً اس طرح روایت میں بھی معصومینؑ نے

یہ تشبیہ دی ہے کہ منظرِ قیامت کیا ہو گا؟ معصومینؑ نے روزِ قیامت کو سورج اور ستاروں سے تشبیہ دے کر سمجھایا ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے ستارے چھپ جاتے ہیں کیونکہ ستارے بہت باادب ہوتے ہیں، مرزا غالب ستاروں سے مطمئن نہیں تھے، وہ کہتے تھے کہ

ہیں کواکب کچھ ،نظر آتے ہیں کچھ

وہ ان کی واقعیت کو دیکھتے تھے مگر اپنی حِس کو نہیں دیکھتے تھے لیکن ہم اپنی حِس میں ہی دیکھیں۔

اظہارِ وجود، بے ادبی

ہماری حِس میں واقعاً ستارے مؤدب ہیں کہ جب شمس طلوع ہوتا ہے پھر نظر نہیں آتے۔

چو سلطان عزت علم برکشد

جهان سر بہ جیب عدم درکشد

سب سجدے میں ہیں، سب خاضع ہیں، وجود اپنا ظاہر نہیں کرتے ہیں، کیونکہ سورج کے سامنے اپنے وجود کا اظہار بے ادبی ہے۔ مرحوم علامہ طباطبائیؒ نے فصل المیزان میں "ادبِ معلیٰ" کو بہت خوبصورت تدوین کیا ہے، معصومینؑ کی زندگیوں میں بھی ادب موجود ہے، اور مولانا رومؒ نے بھی روایت سے ماخوذ کیا ہے، آداب کے بارے میں روایات فراوان ہیں۔ انھوں نے خدا سے دعا کی کہ

از خدا خواهیم توفیق ادب
بی ادب محروم گشت ازلطف
بی ادب تنها نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش بر همہ آفاق زد

مولانا رومؒ کہتے ہیں کہ یہ سب خرابیاں بے ادبوں کی وجہ سے ہیں، اگر یہ بے ادب نہ ہوں، اس دنیا میں ایک ادنیٰ معصیت، ایک معمولی جرم بھی رونما نہیں ہوگا، بے ادبوں نے تمام دنیا تباہ کی ہوئی ہے۔

جهان سربہ جیب عدم درکشد

بعض جگہ بولنا بے ادبی ہے، جیسے جب والد بول رہے ہوں تو بیٹے کا بولنا بے ادبی ہے یا جب معلّم بول رہا ہو تو شاگرد کا بولنا بے ادبی ہے، حتّٰی قرآن نے کہا کہ

"یَاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجۡہَرُوۡا لَہٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَہۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ"

پیغمبر اکرم ﷺ کے سامنے اپنی آواز بلند نہ کرو، یہ جہر الصوت بے ادبی ہے، اور بعض مفسرین نے جیسا کہ بیان کیا ہے کہ جب پیغمبر ﷺ ایک فیصلہ کر جائیں، ایک موقف اختیار کر لیں تو یہاں اپنی رائے کا اظہار کرنا بھی بے ادبی ہے۔ واقعاً قرآن پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر ﷺ کے ارد گرد بعض بے ادب تھے، یہ جو قرآن بار بار کہتا ہے کہ اونچی آواز سے نہ بولو، جس طرح سے ایک دوسرے کو بلاتے ہو، دیواروں کے پیچھے سے یا گھروں کے پیچھے سے بدوؤں کی طرح سے آواز لگاتے ہو اس طرح پیغمبرؐ کو آواز نہ دو یا جب پیغمبر ﷺ بیٹھے ہوئے ہو تو آپ انھیں اذیت نہ دو، زیادہ دیر

نہیں بیٹھو، واقعاً ہونا بھی یہی چاہیے اور ظاہر ہے کہ وہ لوگ کہیں سے تربیت یافتہ یا تعلیم یافتہ تو نہیں تھے، ایک جاہل ثقافت سے منتقل ہوئے تھے، اسلام، قرآن اور پیغمبر اکرم ﷺ نے ہی ان کو باادب بنانا ہے مثلاً بعض چھوٹے بچے اگر گھر میں کوئی مہمان آجائے تو اس کے سامنے نہیں آتے ہیں اور بعض تو ایسے ہوتے ہیں جہاں مہمان کو بیٹھنا ہے وہ بچہ پہلے ہی وہاں جا بیٹھتا ہے، ہم ایسے بچے کو اردو میں شرارتی کہتے ہیں جبکہ ایسے بچے کو فارسی میں پُررو کہتے ہیں یعنی ڈھیٹ، مثلاً ایک بزرگ آدمی آئے اس کے سامنے اظہارِ وجود نہ کرو، یہ شرمیلا پن ایک نوعِ ادب بھی ہے، لیکن ممکن ہے بچے کے اندر احساسِ کمتری ہو لیکن اس کے اندر ایک مخفی، پنہان ادب بھی ہے یعنی بچے کو پتہ بھی ہے کہ میرا اس کے سامنے اظہارِ وجود نہ کرنا بہتر ہے۔

اے کاش! اس بچے سے بڑے کو بھی سبق مل جائے کہ میں بھی جس خدا کے سامنے ہوں اس کے سامنے اظہارِ وجود نہ کروں، نہ کہوں "انا"، نہ کہوں "میں"۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نقل کرتا ہے کہ میں رسول ﷺ کے دروازے پر گیا، جا کر دستک دی، حضرت ﷺ نے اندر سے پوچھا کون ہے؟ جس طرح ہم بھی پوچھتے ہیں کہ کون ہے؟ اس طرح سے حضرت ﷺ نے سوال کیا "مَن ھُوَ"، اس نے کہا کہ میں نے جواب دیا کہ، "انا"، تو حضرت ﷺ نے بہت غضب ناک ہو کر بلند آواز میں یہ جملہ تکرار کرتے ہوئے دروازہ کھولا، "انا، انا، انا" حضرت ﷺ نے یہ لفظ تکرار کرتے ہوئے فرمایا، "کتنی انا ہے تیرے اندر" ؟اس نے پھر کہا کہ " میں"، تو حضرت ﷺ پھر غضب ناک ہوئے کہ کتنی 'میں' ہے تیرے اندر۔ بعض جگہ واقعاً انسان بے ادب ہو جاتا ہے اظہارِ وجود جہاں کرتا ہے وہاں بہتر ہے کہ " میں" اصلاً موجود ہی نہ ہوں، آپ امیر المومنینؑ کا ادب دیکھیں، رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں امیر المومنینؑ سے ایک جملہ بھی نقل نہیں ہوا۔

ایک مرتبہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اکرم ﷺ سے کسی نے کوئی بات پوچھی ہو اور امیر المومنینؑ نے اس کا جواب دیا ہو۔ بلکہ محسوس

تک نہیں ہوتا تھا کہ امیر المومنینؑ بھی یہاں موجود ہیں، درحالیکہ گستاخ بیٹھے ہوتے تھے جو کہتے تھے یارسول اللہؐ! میں اس کو جواب دوں، یہ اجازت بھی نہیں لیتے تھے اور بغیر اجازت کے بولتے تھے، پھر رسول اللہ ﷺ روکتے تھے کہ آپ رہنے دو اس نے مجھ سے سوال پوچھا ہے، لیکن امیر المومنینؑ کا کہیں بھی اظہارِ وجود نہیں ملتا۔

مسجد نبویؐ میں حضرت ﷺ موجود تھے باہر ایک شخص گزرا، اس کی ایک آنکھ تھی اور ایک نہیں تھی اس وقت حضرتؐ دجال کی صفات بیان کر رہے تھے، اس کو صحیح سمجھ نہیں آئی، ظاہر ہے کہ دجال تو اتنی لطیف اور باریک چیز نہیں ہے لیکن انسان کا دماغ بہت موٹا ہو تو دجال بھی سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ اس نے دیکھا باہر سے ایک بھینگا آدمی گزر رہا ہے فوراً کہا اگر اجازت دیں تو میں اس کا سر قلم کر دوں یہ کہہ کر تلوار نکال لی، حضرتؐ نے کہا کہ " اگر یہ واقعاً دجال ہے تو، تُو اور تیرے جد بھی اس کو قتل نہیں کر سکتے، کیونکہ دجال کو تو آخر الزمان میں آنا ہے، تیرے جیسے اس کو قتل

نہیں کر سکتے اگر دجال نہیں ہے تو ایک بے گناہ پر اس طرح سے تمہیں طیش کیوں آگیا؟"

کبھی بھی علیؑ نے شمشیر نہیں نکالی، کہ میں مثلاً جنگ کرنے جاتا ہوں۔ اس طرح سے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہوتے تھے جیسے علیؑ کو جنگ کرنا ہی نہیں آتا ہے، جب خود حضرتؐ کہتے تھے اٹھو یا جب بلاتے تھے کہ کون ہے؟ اس وقت پھر اٹھتے تھے، چونکہ خود حضرتؐ نے طلب کیا اور کہا کہ ابھی اپنا اظہار کرو۔ ہم فضیلت اس کو سمجھتے ہیں کہ حضرت عباسؑ امام حسینؑ کے سامنے اظہار وجود کریں، درحالیکہ حضرت عباسؑ نہایت خاضع تھے۔ حضرت عباسؑ اس طرح سے سید الشہداءؑ کے حضور میں تھے، جس طرح علیؑ رسول اللہؐ کے سامنے تھے، اوجِ ادب میں، یعنی حضرت عباسؑ نے کہیں اظہارِ وجود نہیں کیا۔ حضرت عباسؑ کی زندگی کے متعلق کربلا سے پہلے کی تاریخ کیوں نقل نہیں ہے؟ ادب کی وجہ سے، چونکہ وہ اپنا اظہارِ وجود سید شہداءؑ کے سامنے نہیں کرتے تھے۔ اصلاً اظہار وجود نہ کرنا ادب ہے۔

حضرت زہرا سلام اللہ علیھا فرماتی ہیں

اِذا الْخَلائِقُ بِالْغَیبِ مَکْنُونَۃٌ، وَبِسَتْرِ الْاَھاوِیلِ مَصُونَۃٌ،

حول یعنی دہشت، خوف، جس سے ڈر کر آدمی چھپ جاتا ہے، پردوں کے پیچھے۔

عِلْماً مِنَ اللّٰہِ تَعالی بِمائِلِ الْاُمُورِ، وَاِحاطَۃً بِحَوادِثِ الدُّھُورِ، وَ مَعْرِفَۃً بِمَواقِعِ الْاُمُورِ

یعنی خدا کو علم تھا جبکہ ساری مخلوقات چھپی ہوئی تھیں، اس وقت پیغمبر اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے وجود کو خدا نے ظاہر کیا نہ کہ پیغمبر اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے اس وقت اظہارِ وجود کیا، پیغمبر صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کہیں زیادہ مؤدب تر ہیں، کہ خدا کے مقابلے میں اظہارِ وجود کریں۔

"وَمَعْرِفَۃً بِمَواقِعِ الْاُمُورِ، اِبْتَعَثَہُ اللّٰہُ اِتْماماً لِاَمْرِہِ

دیکھیں یہ توحید ہے، بی بی فرماتی ہیں، خدا نے ان کو مبعوث کیا،

وَعَزِیمَۃً عَلٰی اِمْضاءِ حُکْمِہِ

خدا نے ان کو مبعوث کیا تا کہ حکمِ قطعیِ خدا ان کے ذریعہ سے جاری ہو،

وَاِنْفاذاًلِمَقادیرِ رَحْمَتِهِ

اور مقدراتِ خدا اور مقادیرِ خدا و تقدیراتِ الٰہی کو نافذ کرنے کے لئے خدا نے انہیں چنا،

فَرَأَى الْاُمَمَ فِرَقاًفی اَدْیانِها

جب رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کو خدا نے مبعوث کیا، تم لوگ اس وقت متفرق تھے،

عُكَّفاًعَلى نيرانِها

تم جہنم کے بالکل کنارے پر پہنچے ہوئے تھے، عاقف تھے، پھرنے والے تھے،

عابِدَةًلِاَوْثانِها

خدا تو در کنار تمہیں کسی چیز کی معرفت نہیں تھی، تم بتوں کی پرستش کرتے تھے، تم نے خود خدا بنائے ہوئے تھے۔

مُنْكِرَةً لِلّٰهِ مَعَ عِرْفانِها

اور بعض تو ایسے تھے جو جانتے ہوئے خدا کے منکر تھے۔

فَاَنارَ اللّٰهُ بِاَبِيمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ و الِهِ ظُلَمَها

اس وقت خداوند تبارک و تعالیٰ نے ان ظلمتوں کو نورِ محمد ﷺ کے ذریعے سے دور کیا۔

وَ كَشَفَ عَنِ الْقُلُوبِ بُهَمَها

اسوہ معصومین علیہ السلام و عظمت خدا

بی بی زہراؑ فرمارہی ہیں کہ "خدا نے یہ کام کیا"، توجہ کریں کہ ان سب میں فاعل خدا کی ذات ہے، پیغمبر اکرم ﷺ کی ساری عظمت یہی ہے کہ خود ایک فیضِ خدا ہیں، واسطِ فیضِ خدا ہیں، اس خطبے میں سر تا پا توحید ہی توحید ہے۔

عدالت میں جاکر اس طرح سے باتیں کرنا جبکہ عموماً عدالت میں انسان غصے میں بھرا ہوتا ہے، اور جی کرتا ہے کہ کسی طرح آکر اپنے دل کی بھڑاس نکالے لیکن وہ خواتین یا وہ مرد جو فقط دل کی بھڑاس نکالتے ہیں وہ اسوہ نہیں ہوتے ہیں، انہیں خدا نے اسوہ نہیں بنایا ہے۔ اسوہ ان کو بنایا ہے جن کو اپنی صفات کا مظہر قرار دیا ہے، از جملہ صفاتِ خدا جیسا کہ مناجات وادعیہ میں ہے:

"الحمد للہ علی حلمہ بعد علمہ۔۔۔۔۔"

خدا نے ان کو آگاہی بھی دی ہے، لیکن ساتھ ساتھ بُردباری بھی دی ہے، صرف علم ہو اور بردباری و حلم نہ ہو تو ایسا انسان پھٹ جاتا ہے، اور وہ اسوہ نہیں بن سکتا ہے۔ معصومینؑ سب کچھ جانتے ہوئے لوگوں کے ساتھ انجان بن کر رہتے تھے، اس میں کتنی دشواری ہے؟

آپ ایک دفعہ یہ کام اپنے ہم حجرہ، یا اپنے ساتھ رہنے والوں کے ساتھ کریں مثلاً آپ کو معلوم ہو کہ آپ کا کھانا وہ کھا گیا ہے لیکن آپ اس کو اصلاً بلکل تاثر نہ دیں، نہ کسی طرح اشارے میں اور نہ

کنائے میں اظہار کریں، یا آپ کی کوئی چیز اس نے استعمال کر لی ہے، آپ کو پتہ ہے کہ ابھی اس کے پاس بھی ہے ، لیکن آپ اس کو اصلاً عمر بھر کے لیے یہ تاثر نہ دیں۔ آپ کا یہ عمل کیا ہے؟ حلم بعد از علم ہے، یعنی جان بوجھ کر انجان بنے رہنا۔ اس نے ایک غلطی کی ،اس نے خطا کی مگر آپ عمر بھر کے لیے اسے محسوس نہ ہونے دیں کہ مجھے پتہ ہے اس کے متعلق، یا اس نے کوئی نقصان کر دیا، کوئی اشتباہ کر دیا، اس کو بلکل محسوس نہ ہونے دیں یعنی جانتے بوجھتے ہوئے آپ انجان بن جائیں، یہ کتنا دشوار کام ہے، یہ سخت جان لیوا کام ہے، یعنی واقعاً انسان کا گلہ اس کام کی سختی سے گھٹ جاتا ہے، ،سینہ انسان کا تنگ ہو جاتا ہے، ایک چیز میں جانتا ہوں کس طرح انجان بنا رہوں، اس کے ساتھ وہی رویہ رکھیں وہی احترام کریں ،اسی طرح سے عزت و توقیق کریں۔ یعنی فرق نہ آنے پائے آپ کے رویے میں۔

وَ كَشَفَ عَنِ الْقُلُوبِ بُهَمَهَا

بہم گونگا پن کو کہتے ہیں، گونگے کو بہیمہ اس وجہ سے کہتے ہیں چونکہ وہ بولتا نہیں ہے۔ بعض عبارتوں میں ابہام ہوتا ہے، ابہام بھی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ عبارت گونگی ہے یعنی معنیٰ و مفہوم سمجھ میں نہیں آرہا، اس وجہ سے انہیں بعض لوگ ابہام کہتے ہیں، یعنی جب بات روشن اور واضح نہیں تھی تو رسول اللہؐ کے ذریعے سے اس میں انکشاف آیا۔

وَجَلى عَنِ الْاَبْصارِ غُمَمَها

تمہاری آنکھوں کے سامنے پردے آویزاں تھے، خدا نے پیغمبر اکرمؐ کے ذریعے سے انہیں جِلا بخشی اور تمہاری آنکھوں کو نورانیت عطا کی۔

وَ قامَ فِي النّاسِ بِالْهِدايَةِ، فَاَنْقَذَهُمْ مِنَ الْغِوايَةِ، وَ بَصَّرَهُمْ مِنَ الْعِمايَةِ، وَ هَداهُمْ اِلَى الدّينِ الْقَويمِ، وَ دَعاهُمْ اِلَى الطَّريقِ الْمُسْتَقيمِ ثُمَّ قَبَضَهُ اللّٰهُ اِلَيهِ قَبْضَ رَاْفَةٍ وَ اخْتِيارٍ، وَ رَغْبَةٍ وَ ايثارٍ

پھر خدا نے انہیں ان صفات کے ساتھ اٹھالیا۔

فَمُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ و اٰلِہٖ مِنْ تَعَبِ ھٰذِہِ الدَّارِ فی رَاحَةٍ

یعنی پیغمبرؐ کو خدا نے اس دنیا کی سختیوں سے راحت کر دیا، آسائش دے دی۔

قَدْ حُفَّ بِالْمَلَائِکَةِ الْأَبْرَارِ

اور وہ ابھی ملائکہ ابرارؑ کے مجمع و گھیرے میں ہیں۔

وَ رِضْوانِ الرَّبِّ الْغَفَّارِ، وَ مُجاوَرَةِ الْمَلِكِ الْجَبَّارِ، صَلَّی اللّٰہُ عَلی أَبی نَبِیِہِ وَ اَمینِہِ وَ خِیرَتِہِ مِنَ الْخَلْقِ وَ صَفِیہِ، وَ السَّلامُ عَلَیہِ وَ رَحْمَةُ اللّٰہِ وَ بَرَ کاتُہُ

یہ خطبے کا پہلا حصہ ہے جو سراپا توحید ہے کہ جب حمدِ خدا ہے تو توحیدی ہے، اپنے والد گرامی پر درود و ثناء ہے پھر بھی توحیدی درود و ثناء ہے، اس کے بعد احتجاج شروع ہوتا ہے، مگر احتجاج سے پہلے اس قوم کو خطاب ہے کہ تم کیا تھے؟ اور اب کیا بن گئے ہوں؟ جملے جملے میں فقط دل کا غصہ اور بھڑاس نہیں ہے، غلبہ غصے کا نہیں ہے ،غلبہ شکوے اور شکایت کا نہیں ہے بلکہ غلبہ توحید کا ہے، یعنی ایک

قدم اور ایک لفظ بھی توحید کے دائرے سے باہر نہیں ہے۔ یہ روشِ توحید ہے۔

خداوند ہم سب کو اس اسوہِ توحیدی پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سوالات

سوال نمبر 1: خدا کے وضع کردہ جامع اصول جو کسی کی زندگی کا اور وجود کا حصہ بن جائے تو پھر وہ شخصیت کیا کہلاتی ہے؟

(الف) نبی

(ب) امام

(ج) اسوہ

(د) فرشتہ

سوال نمبر 2: سیرت اور تاسی کسے کہتے ہیں؟

(الف) معصوم کی زندگی کا فقط مشاہدہ کرنا۔

(ب) معصوم کی طرز زندگی کو اپنانا۔

(ج) معصوم کی زندگی کا مطالعہ کرنا۔

(د) تمام جوابات درست ہیں

سوال نمبر 3: اسوہ کی ذات، اعمال، زندگی اور حرکات و سکنات کا اصل۔۔۔۔۔۔ہے۔

(الف)توحید

(ب)نبوت

(ج)امامت

(د)قیامت

سوال نمبر4:موحّدِ حقیقی کون ہے؟

(الف)جس کے ذہن میں توحید کا تصور ہو۔

(ب)جس کے دل میں توحید پر اعتقاد ہو۔

(ج)جو توحید کا نظریہ رکھتا ہو۔

(د)جس کے تمام اعمال پر توحید کی حکمرانی ہو۔

سوال نمبر 5: توحید کا اصل مقام ہے کہ:

(الف) اسے ذہن میں جگہ دی جائے۔

(ب) اعتقادی عنوان سے دل میں جگہ دی جائے۔

(ج) علمی نظریہ سمجھ کر دل میں جگہ دی جائے۔

(د) تمام زندگی پر رنگِ توحید ہو۔

سوال نمبر 6: انسان کے تمام اعمال پر اس کی تمام حرکات و سکنات پر رنگ توحید کا موجود ہونا۔۔۔۔۔ کہلاتا ہے۔

(الف) توحیدِ نظری

(ب) توحیدِ علمی

(ج) توحیدِ عملی

(د) توحیدِ فکری

سوال نمبر 7: کیا علمِ توحید فقط سمجھنے سے ہم موحدِ کامل بن سکتے ہیں؟

(الف) جی ہاں

(ب) جی نہیں

(ج) کبھی بن سکتے ہیں کبھی نہیں۔

(د) کوئی جواب درست نہیں ہے۔

سوال نمبر 8: توحید کے معنیٰ یہ ہیں کہ:

(الف) اپنی ہستی کے تانہ بانہ پر رنگ خدا چڑھائیں۔

(ب) توحید آپ کے وجود کے ہر جز میں سرایت کر جائے۔

(ج) ہر حصے اور خلیے میں توحید ہو۔

(د) تمام جوابات درست ہیں۔

سوال نمبر 9: کسی بھی شخصیت کو توحیدی اسوہ بننے کے لیے کس چیز کی شرط ہے؟

(الف) امام ہو۔

(ب) نبی ہو۔

(ج) معصوم ہو۔

(د) رسول ہو۔

سوال نمبر 10: معصومینؑ کی زندگی کا وہ کون سا پہلو ہے جو دوستوں کے سبب مخفی ہے؟

(الف) درِ ولایت

(ب) درِ اقتدار

(ج) درِ سیرت

(د) الف اور ب درست ہیں۔

سوال نمبر 11: اگر سیرتِ حضرت زہراؑ ہم پر مخفی رہے تو اس کا کیا نقصان ہے؟

(الف) کم علمی شمار ہو گی۔

(ب) ہدایت و سعادت کم ہو جائے گی۔

(ج) کوئی نقصان نہیں ہو گا۔

(د) الف اور ب درست ہیں۔

سوال نمبر 12: معصومینؑ کا حضرت زہراؑ کو بزرگ اور بافضیلت بنانے کی وجہ کیا ہے؟

(الف) ان کے متعلق لوگوں کے اظہارات بہت تھے۔

(ب) دوسروں نے بہت مدح و تعریف کی ہے۔

(ج) خدا نے ہر صورت میں کامل بنایا ہے۔

(د) الف اور ب درست ہیں۔

سوال نمبر 13: امیر المومنینؑ نے نہج البلاغہ میں مواقفِ انبیاءؑ پر قیام کرنے کو کیا بیان فرمایا ہے؟

(الف) روحِ اذان

(ب) روحِ حج

(ج) روحِ نماز

(د) روحِ اسلام

سوال نمبر 14: جب لوگ کہتے ہیں کہ وہ کہاں؟ ہم کہاں؟ درحقیقت کس چیز کی نفی کر رہے ہوتے ہیں؟

(الف) کمالات کی

(ب) فضائل کی

(ج) پیروی کی

(د) الف اور ب درست ہیں۔

سوال نمبر 15: حضرتِ سیدہؑ کی سیرت میں توحید کا عکس کس طرح ملتا ہے؟

(الف) تار و پودِ حیات زہراؑ میں

(ب) زندگی کے ہر شعبے میں

(ج) اصل ضابطۂ حیات میں

(د) تمام جوابات درست ہیں۔

سوال نمبر 16: کس طرح ثابت ہے کہ آئمہ معصومینؑ کے کلام میں جاذبہ موجود ہے؟

(الف) جب کلام کی سُبک اور سطحی تفسیر نہ ہو۔

(ب) ان کے کلام کو بغیر کسی تبدیلی کے لوگوں تک پہنچائیں۔

(ج) خوب رنگ چڑھائیں اور مصالحہ لگا کر بیان کریں۔

(د) الف اور ب درست ہیں

سوال نمبر 17: جناب سیدہؑ کے معروف خطبے سے مندرجہ ذیل حقائق پیش ہوتے ہیں۔

(الف)توحید پوری زندگی پر غالب رہے۔

(ب)اپنا مبارزہ اور قیام۔

(ج)اپنے حق کا دفاع۔

(د)تمام جوابات درست ہیں۔

سوال نمبر 18: توحید کی اعلیٰ و مضبوط و عمیق و مستحکم تصویر کس مذہب میں ملتی ہے؟

(الف)مذہبِ مسیحیت

(ب)مذہبِ یہودیت

(ج)مذہبِ تشیع

(د)مذہبِ وہابیت

سوال نمبر 19: لوگوں کے سامنے عدالت میں جو خطبہ جناب سیدہؑ نے ارشاد فرمایا اس میں سب سے زیادہ کون سا رنگ نمایاں ہے؟

(الف) غصہ اور بھڑاس کا

(ب) عدالت میں ہو کر بھی پہلے محضرِ خدا میں ہونا

(ج) اپنے دشمن سے بدلہ لینے کا

(د) کوئی جواب درست نہیں۔

سوال نمبر 20: جناب سیدہ کی جملے " خدا کا خوف نہیں ہے تمہیں؟" سے کیا ثابت ہوتا ہے؟

(الف) خدا ان کے دلوں میں عقیدتی فائل کے طور پر ہے۔

(ب) خدا کی فائل الگ ہے۔

(ج) توحید ان کے عمل میں نہیں ہے۔

(د) تمام جوابات درست ہیں۔

سوال نمبر 21: مارکونی نے گورباچوف کے خط کے جواب میں کیا لکھا؟

(الف) آپ کی بڑی کمزوری کمیونزم ہے۔

(ب) آپ کی بڑی کمزوری اقتصاد ہے۔

(ج) آپ کے نظام میں خدا نہیں ہے۔

(د) الف اور ب درست ہیں۔

سوال نمبر22: "نقطہ چون تیغ پولادست تیز" جملے میں کس چیز کو تلوار سے تیز کہا ہے؟

(الف) فولاد

(ب) خنجر

(ج) سپر

(د) باریک نکتہ

سوال نمبر 23:"واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ" سے جناب سیدہؑ کا کیا بیان کرنا مقصود تھا؟

(الف) اپنے والد کا رسولؐ ہونا۔

(ب) اصالتِ پیغمبر کا ہونا۔

(ج) فقط نبوت کو بیان کرنا۔

(د) رابطہ پیغمبرِ خداؐ میں اصالت ساری خدا کی ہونا۔

سوال نمبر 24: ہمیشہ نماز میں ہونے سے کیا مراد ہے؟

(الف) ہر وقت نماز پڑھتے رہنا۔

(ب) صفتِ بندگی کا زائل نہ ہونا۔

(ج) ہمیشہ بندگی کی حالت میں ہونا۔

(د) ب اور ج درست ہیں۔

سوال نمبر25: حول سے مراد ہے کہ۔۔۔۔۔۔

(الف)ماحول

(ب)دہشت

(ج)دہشت والا خوف

(د)امید

سوال نمبر 26: صورِ اسرافیلؑ سے خدا کی کون سی صفت کا ظہور ہو گا؟

(الف) ظہورِ قہاریتِ خدا

(ب) ظہورِ حاکمیتِ خدا

(ج) ظہورِ کمالِ خدا

(د) ظہورِ جمالِ خدا

سوال نمبر 27: مرحوم علامہ طباطبائی نے ادب کے عنوان پر ۔۔۔۔۔۔ تدوین کی ہے۔

(الف) فصل الخطاب

(ب) فصل المیزان

(ج) معراج السعادۃ

(د) معراج النبوۃ

سوال نمبر 28: "پیغمبرؐ کے سامنے بے ادبی نہ کرو" قرآن نے کونسی اصطلاح استعمال کی ہے؟

(الف) لاترفعوا

(ب) لاتنابزوا

(ج) لاتجھروا

(د) لاتجسسوا

سوال نمبر 29: اظہارِ وجود کرنے سے کیا مراد ہے؟

(الف) کسی بزرگ کے سامنے اپنی تعریف کرنا۔

(ب) کسی معزز کے مقابل خود کو بڑا بیان کرنا۔

(ج) کسی بزرگ کے سامنے اظہارِ شرمندگی کرنا۔

(د) الف اور ب درست ہیں۔

سوال نمبر 30: کیسے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کی زندگی میں کبھی امیر المومنینؑ نے اظہار وجود نہیں کیا؟

(الف) آپؐ کی زندگی میں حضرت علیؑ سے جملہ نقل نہیں ہوا۔

(ب) کبھی پیغمبرؐ کی بات پر سبقت نہیں کی۔

(ج) کبھی پیغمبرؐ کے حکم پر کسی چیز کو مقدم نہیں کیا۔

(د) تمام جوابات درست ہیں۔